علم و عرفان

افادات: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ

مرتبہ: حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر:

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان ، منارہ ، ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

علم و عرفان

یعنی

ایک عالم ربانی کا خط اور ایک عارف باللہ کا جواب

تعارف

اکبر الہ آبادی کیا پتے کی بات کہہ گئے ہیں۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

جستجو ہم کو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

یہ چند اوراق جو آپ کے سامنے ہیں' اس کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے' اور کیوں لکھا گیا ہے۔ اکبر مرحوم نے جو بات اپنے رنگ میں کہہ دی ہے وہ صرف ایک کہنے کی بات نہیں' بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے اور یہ اوراق اس حقیقت کی شہادت ہے' ایک شخص دین کا علم حاصل کرتا ہے' کیوں؟ اس لیے کہ اسے خالق اور مخلوق کے تعلق کی حقیقت معلوم ہو جائے اور اسے اپنے خالق کا قرب حاصل ہو جائے' عمر عزیز کا ایک معتدبہ حصہ حصول علم میں صرف کر دیتا ہے' اور ایک مستند عالم بن جاتا ہے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا' ایک خلا محسوس کر رہا ہوتا ہے' ایک پیاس ہے جو بجھتی نہیں۔ گو وہ ایک حقیقت کو جان گیا ہے' مگر ابھی اس کی پہچان باقی ہے جب تک پہچان نہ ہو سکون کیسے ملے' چنانچہ وہ اپنے مقصود کی تلاش میں ہر وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جس کے متعلق اسے توقع ہوتی ہے کہ اس گھر کے اندر کوئی ایسی ہستی موجود ہے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وہ اپنے خالق کی پہچان حاصل کر لے گا' مگر اسے ہر جگہ سے مایوسی ہوتی ہے اور وہ زبان حال سے کہہ دیتا ہے

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اسی تلاش میں جوانی ڈھل جاتی ہے' بال کھچڑی ہو رہے ہیں۔ بالوں پر بڑھاپے کی سفیدی بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے دل کی دنیا میں مایوسی کا اندھیرا بھی بڑھتا جاتا ہے اچانک اسے امید کی کرن نظر آتی ہے' ایک عارف باللہ کی تصنیف ہاتھ آ جاتی ہے۔ مطالعہ کرتا ہے' مایوسی کے بادل چھٹنا شروع ہوتے ہیں تصورات کی دنیا میں منزل سامنے آنے لگتی ہے مگر مشہور ہے کہ سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتا ہے' آخر عالم دین ہے' اس راہ کے نشیب و فراز کے متعلق دل و دماغ میں جو گرہیں پڑ چکی ہیں انہیں کھولنا چاہتا ہے' اور علمی انداز میں نظریاتی اعتبار سے ہر اشکال جو اسے پیش آتا ہے ہر شبہ جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسے دور کرنا چاہتا ہے' چنانچہ مصنف کو خط لکھتا ہے اور اپنے تمام اشکال ایک ایک کر کے پیش کرتا ہے' ظاہر ہے کہ شبہات ایک عامی کے نہیں' بلکہ ایک عالم کے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں' اور ایسے عالم کے ذہن میں جو نہ جانے کتنی جگہوں سے صرف مایوسی سے اپنا کاسہ گدائی بھر کے لوٹا ہے' پھر کتاب مذکور کا مصنف ایک عارف باللہ اور ایک شیخ کامل ہے' اور ایک متبحر عالم ربانی ہے اس لیے سائل کی تشفی کے لیے علمی انداز میں خط کا جواب لکھتا ہے اور اس راہ میں جو باتیں جو گفتنی نہیں صرف چشیدنی ہیں ان کی نشاندہی بھی کرتا چلا جاتا ہے چنانچہ یہ اوراق علم و عرفان کا ایک حسین امتزاج ہے اور اس لیے پیش کیا جا رہا ہے کہ ممکن ہے کہیں بھی کسی دل میں یہی چنگاری دبی ہوئی موجود ہو اور اس کو انتظار ہو کہ کوئی ہاتھ آگے بڑھ کے اس چنگاری کو راکھ کے ڈھیر سے نکالے اور اسے ایک شعلہ جوالہ بنا دے' ممکن ہے کسی دل میں اسی گوہر کی تلاش اور اسی آب حیات کی پیاس موجود ہو اور اسے نشان منزل ہاتھ آ جائے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
گرما نرسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: ہم تجھے نشان منزل بتا دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ہم تجھ تک ایک برس تک بھی نہ پہنچ سکیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ'

کابل (افغانستان) سے ایک عالم دین کا خط

بگرامی خدمت شیخ المکرم حضرت مولانا الہ یار خان کاشف اسرار شریعت و طریقت و حاوی للفروع ولا صول السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ' دام فیوضکم و برکاتکم علینا و علی الناس اجمعین

"مجھے دلائل السلوک' دیکھنے کا بذریعہ دلاور خاں موقع میسر آیا جس سے میرے دل میں نور ایمان کی لہر اٹھی اور حیران ہو گیا کہ اس دور ظلماتی اور الحادی میں ایسا ہیرا' موتی یگانہ' دریکتا' وحید الدہر اور سراج منیر اس سرزمین پاک و ہند میں منور ہوا' اگر میں خود اپنی آنکھوں سے کتاب نہ دیکھتا' کوئی دوسرا آدمی زبانی ان واقعات و حالات کو بیان کرتا تو یقیناً" دل قبول نہ کرتا' نہ ہی قابل قبول تھیں ظاہراً"۔ گویہ اہل السنت و الجماعت کا مذہب ہے کہ ان لوگوں سے زمین خالی نہیں ہوتی' مگر ایسی جامع شریعت و حقیقت ہستی کا اس دور میں پایا جانا اگر محال نہیں تھا تو یقیناً" کم یاب تو تھا اور ہے۔

میں خود اس مرض کا قدیم المریض ہوں طبیب قلب کا سالہا سال سے متلاشی ہوں مگر جو ملا آخر وہ دکاندار ہی ثابت ہوا' اس لیے میری کشتی کنارے نہ لگ سکی نہ ہی مرض سے نجات ملی' اگر کوئی صورت حاضری کی میسر آئی تو حاضر خدمت ہوں گا' وقت آخری ہے اور میں چند ایک معروضات پیش کر کے جواب لینا چاہتا ہوں۔

۱۔ کیا اذکار و اشغال مشائخ وہیئت جلسہ ذکر' اور دو وقت ذکر کرنے اور اجتماعی طور پر ذکر کرنے کا وجود قرون ثلثہ میں ملتا ہے جو قرون مشہود بالخیر ہیں' اگر ان کا وجود قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا تو اس کو بدعت کہنا بعید نہ ہو گا؟

۲۔ کیا نجات اخروی کے لیے اور دیگر تمام کمالات کے حصول کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول کافی نہیں کہ مزید اذکار و اشغال مشائخ بایں قیودات و تخصیصات اختیار کئے جائیں جب کہ انسان عامل بالکتاب و السنت ہے؟

۳۔ کیا علم سلوک و تصوف جزو دین ہے؟ اگر ہے تو قرون ثلثہ اس سے کیوں خالی رہے؟ اگر نہیں تو اس کے حصول کا کیا فائدہ؟

۴۔ اگر علم سلوک جزو دین ہے تو اس کے حصول کے لیے ولی کامل اور مرشد کامل کو موقوف علیہ ٹھہرانا کہاں ثابت ہے اس کا حصول تو کتب تصوف اور کتاب اللہ اور سنت سے ہو سکتا ہے؟

۵۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ علم سلوک ایک باطنی علم ہے مگر حصول علم کے لیے زندہ اشخاص کافی ہیں (عالم علوم باطنیہ) جن سے حاصل ہو سکتا ہے مگر جو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں مشہور ہے کہ فیض روح سے بھی ہو سکتا ہے تو اہل قبور سے کس طرح ہو سکتا ہے جب بعد الدارین ہو چکا ہے' نیز فقہا میں تو بعض سرے سے سماع موتی کا انکار کرتے ہیں جب حال یہ ہے تو فیض حاصل کرنا کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور امام صاحب کا مذہب بھی بعض عدم سماع بتاتے ہیں۔

۶۔ خدا تعالیٰ نے سوال کئے بغیر پیدائش انسانی' جنات و شیاطین قرآن میں بیان فرما دیں مگر روح کی پیدائش اور حقیقت باوجود سوال کے نہ بتائی جس سے خوب واضح ہوتا ہے کہ روح کوئی فرشتہ اور جن سے بھی زیادہ الطف چیز ہے تو ایسی لطیف ہستی سے فیض حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے' فیض کے لیے اول روح سے ہم مجلس ہو' پھر اس کو دیکھے وہ نظر آئے پھر اس سے ہم کلام ہو اس کا کلام سنا جائے' پھر اس سے اخذ فیض کیا جائے' چہ جائیکہ اس سے خرقہ خلافت لیا جائے جس کی کوئی نظیر آپ فرمائیں اگر ہے تو۔ جب عدم سماع بھی سامنے ہے۔

۷۔ کیا روح پر موت طاری نہیں ہوتی؟ قرآن میں کل نفس ذائقتہ الموت' موجود ہے' اس کلیہ سے آپ روح کو کیسے مستثنیٰ فرماتے ہیں؟ کیا روح کے لیے بھی موت ہے جبکہ حیات کا موقوف علیہ ہی روح ہے۔

۸۔ فنا فی الرسول' فنا فی اللہ اور بقا باللہ اور دیگر مراقبات کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ صوفیائے کرام کے نزدیک ان کے حصول و تحصیل کی کیا صورت ہے؟ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ طریقہ آپ ہم کو لکھ کر ارسال کر سکتے ہیں؟ کہ ہم بھی ان کو حاصل کر کے خدا کے خاص بندوں میں داخل ہو جائیں۔ آپ سے دور افتادہ ہیں' مہربانی کر کے تفصیل کے لکھیں' نیز کشف ملائکہ و جن و کشف قبور جن جن وظائف سے حاصل ہو جاتے ہیں وہ بھی مفصل لکھنا مہربانی ہو گی' میں آپ کے حلقہ کا آدمی ہوں۔

*

خط کا جواب

از حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں صاحبؒ

پہلے سوال کا جواب: سب سے پہلے بدعت کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے جو چیز بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود تھی وہ سنت ہے اور جو حکم بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا وہ بدعت ہے۔

اب وجود شرعی کی تفصیل سنئے۔ اصطلاح اصول فقہ میں وجود شرعی اسے کہتے ہیں جو بغیر بیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلوم نہ ہو سکے اور حس عقل کا اس میں دخل نہ ہو' اس شے کا وجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور بیان پر ہی موقوف ہو گا۔ پھر بیان نہیں خواہ صراحت ہو' اشارۃ یا دلالۃ ہو یعنی بیان کی کوئی فروع پائی گئی تو اس حکم کا جواز ثابت ہو گا اور اس حکم کا وجود شریعت میں آگیا' خواہ اس وقت اس حکم کی جنس بھی خارج میں موجود نہ ہو' چہ جائیکہ اس کا جزیہ ضروری ہو۔ پس جس حکم کا جواز کلیتہ ثابت ہو گیا وہ حکم لجمیع جزئیات ثابت ہو گا خواہ اس کا کوئی جزیہ بوجود خارجی قرون ثلثہ میں موجود ہو یا نہ ہو' اگر اس کلیہ کا کوئی جزیہ قرون ثلثہ کے بعد خارج میں وجود میں آیا وہ سنت میں داخل ہو گا بدعت نہ ہو گا۔

یوں تو اقسام حدیث میں قول رسولؐ فعل رسولؐ تقریر رسولؐ ہوا جس نفس رسولؐ عزم رسولؐ ہم رسولؐ اور خواطر رسولؐ سب ہیں' مگر اذکار تو وہ سنت ہے جس کا ثبوت صراحۃ رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور خیر القرون میں پایا جاتا ہے۔ اذکار و اشغال جن کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہو اور ان کی جزئیات مشائخ نے اس اصل سے اخذ کی ہوں وہ داخل سنت ہوں گی۔ کیونکہ وسائل و ذرائع حکم مقاصد میں داخل ہیں۔

دوسری چیز یہ سمجھ لی جائے کہ تعلق باللہ' نسبت باللہ اور توجہ الی اللہ سب مامور من اللہ مامور بہ ہیں اگرچہ کلی مشکک ہے جس کا ادنی درجہ مندوب ہے اور اعلیٰ درجہ فرض ہے اور سینکڑوں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے ان کا مامور من اللہ ہونا ثابت ہے' بلکہ تمام شریعت کا خلاصہ اجمال یہ ہے کہ مال اور اولاد سے تعلق حفاظت کا ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق عبادت اور اطاعت کا ہو۔ جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے سینکڑوں آیات و احادیث سے ان کا مامور من اللہ ہونا پائے گا اور غیر سے قلبی انقطاع کا ثبوت ملے گا۔

تیسری بات یہ سمجھ لیں کہ مامور بہ اور مامور من اللہ مقصود لذاتہ ہے اور جو چیز مامور بہٖ ہو اس کی تحصیل کے لیے جو ذرائع اور وسائل اختیار کئے جائیں گے یا جو طریقہ مشخص کیا جائے گا یا مقید کیا جائے گا وہ بھی مامور بہ ہو گا جیسے وضو کو دیکھئے مقصود لذاتہ تو نماز ہے اور نماز موقوف ہے وضو پر' لہٰذا وضو کے لیے پانی مہیا کرنا واجب ہو گا۔ کیونکہ وہی تو وسیلہ اور ذریعہ طہارت ہے۔ اسی طرح نماز کے لیے ستر عورت فرض ہے لہٰذا لباس کا مہیا کرنا بھی فرض ہوا' لہٰذا ذکر الٰہی کے سلسلے میں مشائخ نے جو وسائل اور ذرائع اختیار کئے' یا جن ذرائع کو اصل مقصود کے لیے مشخص کیا یا مقید کیا یا موکد وغیر موکد کیا' جن پر مقصود ذاتی موقوف تھا' وہ بھی مقاصد میں داخل ہوئے' ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا یہ احداث فی الدین نہیں ہو گا' ہاں احداث الدین ہو گا جس طرح طبیب ہر زمانہ اور ہر موسم ادویہ بدلتا اور تجویز کرتا ہے' طبیب کا اصل مقصد تو صحت بدن انسانی ہے' اسی طرح اذکار کا اصل مقصد تعلق مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہے جس طریقہ سے حاصل ہو وہ اختیار کرنا فرض کے حکم میں داخل ہو گا۔

یا مثلاً اعلائے کلمتہ اللہ ایک مقصد ہے اور جہاد بھی اس کا ایک ذریعہ ہے' جہاد جن آلات حرب پر موقوف ہو گا ان کی تحصیل بھی فرض ہو گی' جیسے آج کے حالات کے مطابق توپ' ٹینک' ہوائی جہاز وغیرہ' ان کو اس وجہ سے بدعت نہیں کہا جائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کے زمانہ میں یا خیر القرون میں ان کا وجود نہیں تھا۔ بس تلوار' نیزہ سے ہی کام لینا سنت ہو گا۔ معلوم ہوا کہ مقصد جب اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے جہاد کرنا ہے مگر اس مقصد کے حصول کے لیے حالات کے مطابق ذرائع مہیا کرنا' جن پر یہ موقوف ہے وہ بھی واجب ہو گا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ سمجھ لیجئے کہ حدیث جبرئیل میں احسان کو جزو دین کہا گیا ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے احسان صرف جزو دین ہی نہیں' بلکہ دین کی روح اور خلاصہ ہے جس نے اسے حاصل نہ کیا اس کا دین ناقص ہے' کیونکہ احسان کی حقیقت یہ بیان ہوئی کہ تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک حدیث میں دین کے تینوں اجزاء کا ذکر ہے۔ ایمان جو اصل ہے' اعمال جو فرع ہیں اور احسان جو ثمرہ ہے اسے چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے ایک شخص مغرب کی نماز میں فرض کی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے' ظاہر ہے کہ اس کی نماز نہ ہو گی' اسی طرح احسان کو چھوڑ دینا دین کے ایک عظیم جزو کو ترک کرنا ہے' اس لیے دین ناقص رہ جائے گا۔

پانچویں یہ بات سمجھ لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ درجہ احسان صرف صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو جاتا تھا' صرف فرائض کی پابندی کے ساتھ صحبت رسولؐ شامل ہو گئی تو درجہ احسان حاصل ہو گیا اور وہ بھی اس پایہ کا کہ بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ درجے کے صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا' جب آفتاب نبوت اوجھل ہو گیا تو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ دین کا یہ اہم حصہ جو دین کا ماحصل' کمال کا اعلیٰ درجہ اور مقصود لذاتہ ہے حاصل ہو سکے رہا دو وقت ذکر کرنے کا سوال تو یہ نص سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔

۱۔ ان سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورہ۔ ۱۹-۱۸:۳۸

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح و تسبیح کیا کریں---- اور پرندوں کو جو جمع ہو جاتے تھے'۔

اس حقیقت کو کشف صحیح کی تائید بھی حاصل ہے' اولیاء اللہ نے اس آیت سے دو امور ثابت کئے ہیں اول اجتماعی ذکر' دوسرا اس میں ذاکرین کے انوار کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے جس سے نحوست دور ہوتی ہے۔ قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے' ہمت قوی ہو جاتی ہے اور اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی' یہ کیفیت چشیدنی ہے گفتنی نہیں۔

۲۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفتہ و دون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین۔

اس آیت میں ذکر قلبی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے زبان سے نہیں۔

دوم: صبح و شام ذکر کرنے کا حکم ہے' آخری بات یہ نکلی کہ جو شخص اس طرح ذکر نہیں کرتا وہ خدا سے غافل ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے غافل ہو جانے سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس غفلت سے دین میں جو نقص پیدا ہو جاتا ہے اس میں کلام کی گنجائش کہاں ہے۔

۳۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی

۴۔ ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدۃ والعشی

یوں تو ہر حالت میں ذکر کرنے اور ذکر کثیر کرنے کا حکم ہے مگر دو وقت اہتمام سے ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اجتماعی ذکر کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے کہ:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفت بھم الملائکتہ و غشیتھم الرحمتہ و تنزلت علیھم السیکنتہ ھم قوم لا یشقی جلیسھم۔

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کا ثبوت موجود ہے' پھر اس نعمت کا ذکر ہے کہ اس مجلس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں' رحمت باری اور سکون قلبی نازل ہوتا ہے' یہاں تک کہ اس مجلس میں ویسے بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہ سکتا۔

پھر صحیح حدیث موجود ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت حلقہ ذکر کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے جہاں کہیں کوئی مجلس ذکر پاتے ہیں دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں اور اس مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ذکر کا مامور من اللہ ہونا اور صبح و شام اہتمام سے ذکر کرنا نص سے ثابت ہے۔

دوسرے سوال کا جواب: ذکر کثیر جو تمام اوقات کو شامل ہے اور صبح و شام ذکر کرنے کا مامور من اللہ ہونا نصوص قرآنی اور حدیث نبویؐ سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو یہ ذکر کرنا بھی عمل بالکتاب و السنت ہے ان کو ایک دوسرے سے جدا کیوں سمجھا جائے؟ حدیث جبرئیل سے ظاہر ہے کہ عقائد (ایمان) اور اعمال (اسلام) کے علاوہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس کا پورا کرنا اور اس فرض کو بجا لانا ضروری ہے جسے احسان کہا گیا ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کامل طور پر عامل بالکتاب و السنت ہو ہی نہیں سکتا جب تک ذکر کثیر بالعموم اور صبح و شام ذکر بالخصوص اہتمام سے نہ کرے۔

تیسرے سوال کا جواب: پہلے سوال کے جواب میں بیان کر دیا گیا ہے کہ
تصوف جزو دین ہے۔

چوتھے سوال کا جواب: کوئی علم یا فن کسی استاد کی شاگردی اختیار کیے بغیر نہیں سیکھا جا سکتا۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کا صحیح فہم حاصل کرنا کامل اور ماہر استاد کے تعلیم دینے پر موقوف ہے۔ محض کتابوں کے مطالعہ سے کتاب اللہ کے اسرار اور سنت رسولؐ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی' پھر اس کلیہ سے تصوف کو مستثنیٰ کیوں کیا جائے' اس کے سیکھنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت کا انکار کیوں کیا جائے' جبکہ وہی فن سکھانے کی مہارت اور اہلیت رکھتا ہے۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ حالات' واردات' کیفیات اور روحانی ترقی کے لیے مراقبات' کتابوں سے سیکھنے کی چیز ہی نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لیے الفاظ وضع ہی نہیں کیے یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں شیخ کے باطن سے اور اس کے روح سے حاصل ہوتے ہیں' جس نے ولایت اور معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا' ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ کامل ہو' دل کا اندھا نہ ہو' قوی القلب ہو' جس کے قلب کے انوار اتنے قوی ہوں کہ سالک کی روح اور اس کے باطن کو اپنی طرف کھینچ سکے۔

پانچویں، چھٹے سوال کا جواب: اولیاء اللہ کے ارواح سے اور ان کی قبور سے فیض حاصل کرنا اہل سنت و الجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق سوال کرنا مذہب اہل سنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے' رہا بعد الدارین کا اشکال تو یہ بعد جسم کے لیے ہے' روح کے لئے بعد نہیں' معراج کی متواتر احادیث کیا آپ کے پیش نظر نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا اہل برزخ کو دیکھا' ان کو راحت کی حالت میں بھی دیکھا' انبیاء کی امامت بھی کرائی' ان سے کلام ہوئی حالانکہ وہ برزخ میں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تھے' گو اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاءؑ کے ارواح حاضر ہوئے یا روح مع الجسم' میں ذاتی طور پر امر ثانی کا قائل ہوں۔ دیکھئے حضرت موسیٰؑ سے کتنا فیض ہوا کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ کیا اس کے بعد بھی روح سے فیض لینے میں شبہ رہ سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ سالک روح کو دیکھتا کیسے ہے' کلام کیونکر ہوتی ہے۔ فیض کس طرح ہوتا ہے۔ سوال و جواب کیسے ہوتے ہیں؟ روح کی حیات کس طرح کی ہے وغیرہ؟ تو یہ چیزیں بتائی نہیں جاسکتیں' البتہ سیکھی اور سکھائی جاسکتی ہیں۔ میں تصوف کو جزو دین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں گا' انشاء اللہ تعالیٰ یہ دکھا دوں گا کہ روح سے فیض کیسے اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ شخص روح سے کلام کرلے گا۔ قبر کے عذاب و انعام کو دیکھ لے گا۔ انبیاءؑ کی روحوں سے ملاقات کرلے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر روحانی بیعت کرا دوں گا بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو' خلوص لے کر آئے۔ پھر سماع موتی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ گو دلائل سمعیہ بھی سماع کے موئد ہیں' ان کا انکار صرف جاہل اور ضدی ہی کرسکتا ہے۔

دور صحابہؓ میں کشف و الہام بغیر ریاضت و مجاہدہ کے حاصل ہو جاتا تھا۔ صحبت رسولؐ کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

حیات روح کی حقیقت یہ ہے کہ روح کی حیات نور سے ہے' جس طرح روح محرک بدن انسانی ہے' اسی طرح نور محرک روح ہے۔ اور محرک نور ذات باری تعالیٰ ہے۔ روح کے بدن سے جدا ہونے سے تصرف و تدبیر کا تعلق بدن سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس جدائی کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح فانی نہیں۔ روح کی فنا نہیں ہے اور بقا زمانی ہے۔

کل نفس ذائقته الموت کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ قانون ہے کہ ذائق مذوق کے بعد زندہ رہتا ہے جیسے انسان ذائق ہے اور روٹی مذوق۔ روٹی کھائی گئی۔ انسان زندہ موجود ہے۔ اسی طرح روح ذائق ہے اور موت مذوق ہے اسی لیے موت کے بعد روح زندہ رہتی ہے۔

سماع موتی کے مسئلہ میں امام صاحب کے متعلق جو غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ عدم سماع کے قائل تھے۔ یہ درست نہیں۔ (دیکھئے عرف شذی صفحہ نمبر ۳۸۶)

واشتهر على السنته الناس ان الموتى ليس لهم سماع عندابى حنيفته وصنف ملا على القارى رسالته و ذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمته اصلا

اور لوگوں کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سماع موتی کے قائل نہیں' ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے اس کی کوئی سند نہیں' یہ بالکل بے اصل ہے۔

اور اہل السنت و الجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت کو عالم برزخ میں دنیا کے حالات کا علم ہوتا ہے' (دیکھئے عرفان شذی صفحہ ۳۸۷)

فى شرح المقاصد ان علم الميت مجمع عليه

شرح مقاصد میں ہے کہ میت کو علم ہونا اجماعی عقیدہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ علم بغیر حیات کے محال ہے اور عرف شذی صفحہ ۳۸۷ پر ہے۔

والمحققون ان اباحنيفته لا ينكر سماع الاموات

محققین کا مذہب یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ سماع موتی کے منکر نہیں تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات ۴۰۳ پر فرماتے ہیں۔

"وبالجملہ کتاب و سنت مملوو مشحونند کہ دلالت می کنند بر وجود علم موتی رابدنیا و اہل آں پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبارو منکر دین و مشائخ گفتہ اند ہر کہ ایں اعتقاد ندارد ایمان بحقیقت نبوت ندارد"

المختصر یہ کہ کتاب و سنت ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جو کہ دنیا اور اہل دنیا کے لئے علم موت (فوت شدہ لوگوں کا علم) کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو احادیث سے بے خبر اور دین کا منکر ہو مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ نبوت کی حقیقت پر ایمان نہیں رکھتا۔

معلوم ہوا کہ روح زندہ ہے۔ جو کمالات اسے دنیا میں حاصل ہوتے ہیں جسمانی موت کے بعد روح سے چھین نہیں لئے جاتے' جو علم اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا برزخ میں اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے' شرط یہ ہے کہ حاصل کرنے والا برزخ سے روح کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی قوت رکھتا ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کی تعداد میں کمی کرنے کی درخواست کرنے اور کم کرانے کا فائدہ حاصل ہوا تھا۔

آٹھویں سوال کا جواب: فنانی الرسول، فنانی اللہ اور بقا باللہ سلوک کے وہ منازل ہیں کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے حصول کے لیے کوشاں رہے، مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے اور یہی آرزو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے، ان منازل کے حصول کے لیے یہی تڑپ انسان کی سعادت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مگر یہ منازل صرف زبانی اوراد و وظائف سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ قلب اور روح کا معاملہ ہے اور صرف ذکر لسانی سے تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن نہیں ہو پاتا، بلکہ ان منازل کے حصول کے لیے دوسری شرائط ہیں، سب سے پہلے اصلاح قلب کی ضرورت ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر قلبی کثرت سے کیا جائے اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ اصلاح قلب ایسا کمال ہے جو شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

مولوی ہر گز نشد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نشد

مولوی اس وقت تک مولانا روم نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ شمس تبریز (جیسے بزرگ اور ولی اللہ) کی غلامی نہ اختیار کرلے

اور:۔

کیمیا پیدا کن ازمشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے

اس ایک مشت مٹی کے وجود کو "کسی کامل کی بارگاہ میں بوسہ زن ہو کر" سونا بنا دے۔

ہست محبوبے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیابنمانمت

ایک محبوب تیرے دل کے اندر پوشیدہ ہے۔ اگر دل کی آنکھ رکھتا ہے تو آتجھ کو دکھاؤں۔

شیخ کامل کی رہنمائی میسر آجائے تو اتباع سنت کا اہتمام لازمی طور پر کیا جائے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفٰی

اے سعدی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق وابستہ کئے بغیر تصوف کی راہ اختیار کرنا محال اور ناممکن ہے۔

شیخ کامل اس راہ پر اس ترتیب سے چلاتا ہے کہ سب سے پہلے لطائف کراتا ہے، جب وہ منور ہو جاتے ہیں تو مراقبہ احدیت کراتا ہے، جب یہ رابطہ خوب مضبوط ہو جائے تو شیخ اپنی روحانی قوت سے مراقبہ معیت پھر اقربیت کراتا ہے۔ پھر دوائر ثلاثہ، پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن۔ یہ مراقبات عالم ملکوت سے گزار کر شیخ کامل کراتا ہے۔ پھر مراقبہ سیر کعبہ، سیر صلوۃ پھر سیر قرآن، اس کے بعد مراقبہ فنانی الرسول کراتا ہے اور دربار نبوی میں حاضری ہوتی ہے۔ فنانی الرسول کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی سیرت میں فنا ہو جائے۔ پھر شیخ کامل توجہ روحانی سے فنانی اللہ اور بقا باللہ کا مراقبہ کراتا ہے، یہ ذکر لسانی سے حاصل نہیں ہو سکتے، بلکہ شیخ کامل کی توجہ سے ذکر قلبی کرنے سے یہ مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ مراقبہ فنا بقا میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے سالک کا وجود زمین پر ہوتا ہے اور روحانی طور پر یوں محسوس کرتا ہے کہ عرش بریں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہے، عرش معلی اللہ تعالیٰ کے ذاتی انوار و تجلیات کا ہبط ہے۔ وہ انوار و تجلیات سرخ سنہری معلوم ہوتے ہیں۔ کائنات کی کیفیت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز شجر، حجر، حیوان، ملائکہ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم پکار رہے ہیں، ایک گونج اٹھتی ہے اور سالک پر سب چیزوں سے غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

کائنات کی ہر چیز کا تسبیح و تحمید کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد فطر اللہ الجمادات علی تسبیحہ و تحمیدہ و تنزیہ لطافا و تسبیحھا تسبیح حقیقی

اسی طرح انسانوں کے متعلق بھی تسبیح کے یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مخلوق دو قسم کی ہے، ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ ذوی العقول یعنی انسان معرفت الٰہی اور عبادت الٰہی کے لیے پیدا ہوا ہے، اور غیر ذوی العقول اللہ کی تسبیح و تہلیل کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں ایک مراقبہ جمادات و اشجار بھی ہے، میں یہ مراقبہ نہیں کرایا کرتا۔ کیونکہ خام آدمی کے لئے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس مراقبہ میں پتھروں اور درختوں، پانی اور ہوا کی بولی سکھائی جاتی ہے اور صوفی کامل ان غیر ذی روح چیزوں سے کلام کر سکتا ہے اور ان کی کلام سمجھ سکتا ہے۔

ملائکہ‘ جنات‘ شیاطین اور روح سے کلام ہونا تو سلوک کی ابتدائی باتیں ہیں‘ ہاں اس سلسلے میں طبائع انسانی کے اختلاف کی وجہ سے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سلوک میں منازل بالا حاصل ہو جاتی ہیں‘ حتی کہ عالم امر اور عالم حیرت کے منازل بھی طے کر لیتے ہیں‘ مگر انہیں مشاہدات نہیں ہوتے‘ یہ بھی اللہ کی شان ہے اور اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے‘ بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں بالکل ابتداء میں مشاہدات کی نعمت عنایت فرما دیتا ہے‘ ایسے لوگوں کو رویت اشکال کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے۔ اس مراقبہ میں روح کی اصل شکل بھی جو بعد موت ہو گی سامنے آ جاتی ہے‘ اس مادہ پرستی کے دور میں بہت کم ایسے آدمی ملتے ہیں جن کی روح انسانی شکل پر ہو‘ نعوذ باللہ من ذالک۔ علمائے قشر ایسی باتوں کا انکار کر دیتے ہیں‘ اس کی وجہ عدم علم ہے‘ ایسے انکشافات بالخصوص کشف قبور کے متعلق شبہ کی گنجائش تو حال کی سائنس کی ایجادات نے چھوڑی ہی نہیں‘ مثال کے طور پر ٹیلی ویژن کو لیجئے۔ ٹیلی ویژن اسٹیشن اور ریسیونگ سیٹ کے درمیان طویل مسافت کے باوجود آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ تصویر بھی سامنے آ جاتی ہے اور آدمی کی تمام حرکات و سکنات بھی نظر آتی ہیں‘ اسی طرح کشف قبور میں جب روح سے کلام ہوتی ہے تو روح بھی سامنے آ جاتی ہے اس کی کلام بھی سنائی دیتی ہے۔

جمادات میں شعور کے موجود ہونے کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالی: تسبح له السموات السبع و الارض

اور:۔

وان من شئی الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم

اور:۔

الم تر ان الله یسجد له من فی السموات ومن فی الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجر والدواب و کثیر من الناس وکثیر حق علیه العذاب‘

بعض مفسرین کا قول ہے کہ سجدہ سے دلالت علی الصانع مراد ہے مگر یہ قول درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ الناس کے ساتھ کثیر کی قید نے اس تاویل کو اڑا دیا ہے‘ کیونکہ صانع پر تو تمام جہان دلالت کرتا ہے مصنوع دال علی الصانع ہوتا ہے اور کثیر من الناس سے ظاہر ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو دال علی الصانع نہیں اور یہ بات اصولا" غلط ہے مصنوع ہو اور دال علی الصانع نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ قول غلط ٹھہرا‘ لہٰذا سجدہ اور تسبیح حقیقی ثابت ہوئی۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث موجود ہے۔

عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من مسلم تلبیی الا لبی ما عن یمینه و شماله من حجر و الشجر او صدر حتی نقطع الارض من ههتاو ههنا۔

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلم تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں۔ حتی کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں۔ (حاجی کی تلبیہ سن کر)۔

اس حدیث سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے‘ جس سے وہ تلبیہ کی آواز سنتے ہیں اور خود کلام کرتے ہیں۔

اور ابو داؤد میں ہے۔

عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الحصاۃ تناشد الله الذی یخرجها من المسجد لیدعها۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد حرام سے کنکریاں اٹھا کر باہر لے جانا چاہے تو وہ کنکریاں اس کو خدا کا واسطہ دیتی ہیں کہ انہیں وہیں رہنے دے باہر نہ لے جائے۔

یہ حدیث بھی اہل کشف کی تصدیق کرتی ہے کہ کنکریوں میں شعور اور ادراک ہوتا ہے۔

ایک حدیث بخاری اور ترمذی میں آئی ہے۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان احد جبل یحبنا و نحبه‘ احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں محبت کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے۔ نحبہ‘ سے محبت حقیقی مراد ہے تو یحبنا میں بھی محبت کا لفظ حقیقی معنوں پر محمول ہو گا۔ ہاں مسئلہ ظنی ہے داخل عقائد نہ ہو گا۔

جمادات اور اشجار کو تسبیح و تہلیل‘ تحمید و تنزیہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنا مقصد تخلیق پورا کر رہے ہیں‘ مگر انسان جو معرفت الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ خدا سے غافل ہو گیا ہے۔ انسان اگر اپنا مقام پہچان لے اور قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں لگ جائے تو اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے اور اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے۔

یہ خیال رہے کہ مشاہدات‘ مکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا یہ جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا کمال کی چیز نہیں اصل کمال قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہے۔

اللہ کی اطاعت اور عبادت اس لیے صوفی کامل کے لیے ضروری ہے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرتا ہوا اپنی منزل مقصود یعنی قرب الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جائے اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

❋ ❋ ❋

ایک اور خط اور اس کا جواب

سوال: میں نے دلائل السلوک کا مطالعہ کیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا یہ مطالعہ تنقیدی نوعیت کا تھا کیونکہ تنقید کے لیے وسیع معلومات اور فنی مہارت ضروری ہے اور میں اپنے اندر یہ دونوں وصف مطلوبہ معیار کے مطابق نہیں محسوس کرتا اور یہ مطالعہ تنقیص کی غرض سے بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ایسا کرنا شرافت کے منافی ہے اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہونے کی دلیل ہے میں جانتا ہوں کہ اس نقطہ نگاہ سے مطالعہ کرنے والوں نے اللہ کی کتاب کو بھی نہیں بخشا انسانی تصنیف کی کیا حیثیت ہے۔ میں نے بالکل خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ کام کی بات ہے تو پلے باندھ لوں کیونکہ داناؤں نے کہا ہے۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
از نوشت است پند بردیوار

ترجمہ۔ کسی بڑے آدمی (کی اچھی بات) یا دیوار پر لکھی ہوئی نصیحت کو کان کھول کر سنو۔

میں نے اس کتاب سے ایک مسئلہ کے بارے میں تضاد محسوس کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس کی وضاحت کا مطالبہ کروں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ صفحہ ۱۵ تمام کمالات اور مناصب حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع کی دولت ہی سے حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباع سنت ہے۔

۲۔ صفحہ ۲۲ (شیخ کامل وہ ہے) جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہے۔

۳۔ صفحہ ۲۳۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات جامع علوم اور جامع کمالات تھی۔۔۔ آپؐ کی صحبت میں معاش و معاد کے ہر شعبہ کے متعلق معلومات اور حقائق ملتے تھے۔ لیکن کسی فرد واحد میں نہ تو صلاحیت اور اہلیت کا ہونا ممکن تھا اور نہ ہی حکمت و مشیت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ یہ تمام علوم اور سارے کمالات جو نبی کریمؐ کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں کسی فرد واحد کی ذات میں جمع ہو جائیں۔

۴۔ صفحہ ۲۳۳۔ اولیائے کرام کا تمام تر سرمایہ اللہ و رسولؐ کی محبت ہے اور زیارت رسولؐ دراصل محبت رسولؐ ہی کا ثمرہ ہے۔

۵۔ صفحہ ۲۳۴۔ زیارت قبر رسولؐ" محبت رسولؐ میں داخل ہے' ان مقامات کو دیکھنا جہاں حضور اکرمؐ نے قدم مبارک رکھے محبت رسولؐ میں داخل ہے۔ جب قبر رسولؐ کی مٹی کی زیارت محبت رسولؐ میں داخل ہے تو عین ذات رسولؐ اور حضور اقدسؐ کی روح مبارک کی زیارت کرنے کی شان کیا ہو گی۔ مگر یہ دولت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اتباع سنت رسولؐ کا جذبہ درجہ کمال تک پہنچ جائے کیونکہ محبت رسولؐ کی انتہا اتباع سنت رسولؐ ہے۔ من احب سنتی فقد احبنی

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں حضور اکرمؐ کی عظمت اور محبت کا تصور اور عقیدہ کماحقہ' پایا جاتا ہے۔ مگر ایک مقام پر آپ نے بلغتہ الحیران کا ایک اقتباس درج کیا ہے۔ صفحہ ۱۹۶۔ "میں نے حضور اکرمؐ کی زیارت کی آپؐ نے مجھے بغل میں لے لیا۔۔۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ کو تھام لیا اور گرنے سے بچا لیا۔

۱۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کھلا ہوا تضاد ہے۔ اس لیے آپ بتائیں کہ مذکورۃ الصدر اقتباسات کے پہلو میں آپ نے یہ اقتباس کیوں دیا۔

۲۔ کیا یہ بات گستاخی اور بے ادبی نہیں۔ اور محبت کے منافی نہیں۔

جواب: آپ کا جذبہ قابل قدر ہے اور ذہنی الجھن دور کرنے کے لیے جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے آپ کی بلند اخلاقی کی دلیل ہے۔ آخر میں آپ نے جو سوال کئے ہیں ان کے جواب پیش خدمت ہیں۔

۱۔ آپ نے بلغتہ الحیران کے جس حوالے کا ذکر کیا ہے وہ "کلام بالا رواح" کے عنوان کے تحت باب نمبر ۲۰ میں درج کیا گیا ہے رہا یہ سوال کہ وہ کیوں درج ہوا تھا اس کی وجہ سنیئے۔

کلام بالا رواح کے متعلق تین قسم کے لوگوں سے ہمیں سابقہ پڑا ہے اول وہ جو اس ضمن میں تحقیق کے خواہاں ہیں تو ہم نے ایسے حضرات کے اقوال پیش کئے جو متقدمین اور متاخرین میں سے مستند محقق مانے جاتے ہیں۔ مثلاً ابن کثیر۔ علامہ سیوطی۔ امام یافعی' امام شوکانی علامہ آلوسی وغیرہ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کلام بالا رواح کا انکار کرتے ہیں مگر چند محققین کے قول کو مستند سمجھتے ہیں۔ ان کی خاطر علامہ ابن قیم' علامہ ابن حجر' حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن کی کیفیت عجیب ہے کہ ایک خاص مکتب فکر کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور خاص اشخاص سے شاگردی' عقیدت اور ارادت کے مدعی بھی ہیں اور ساتھ ہی کلام بالا رواح کے انکار میں متشدد بھی ہیں اور اس عقیدہ انکار کے مبلغ بھی ہیں ان کو اس مکتبہ فکر کے اکابر کے اقوال سے مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور مولانا مدنی وغیرہ۔ پھر یہ لوگ مولانا حسین علی کے شاگرد خاص ہونے کے مدعی ہیں اور ان کو اپنا شیخ سمجھتے ہیں ان پر ان کی دورنگی واضح کرنے کے لیے یہ اقتباس دیا گیا کہ جسے تم اپنا استاد اور شیخ سمجھتے ہو اس کا اپنا بیان یہ ہے پھر تم کس منہ سے کلام بالا رواح کا انکار کرتے ہو۔ اس اقتباس کی غرض محض یہ ہے۔

۲۔ رہا گستاخی اور بے ادبی کا سوال تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے پہلی بات یہ ہے کہ کسی نام کے مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور کرنا کہ وہ حضور اکرمؐ کے ساتھ گستاخی یا بے ادبی کے گناہ کا ارتکاب کرنے کی جرات کر سکتا ہے' بعید از عقل ہے۔ تو علمائے دین کے متعلق یہ الزام تراشی کرنا اسی وقت ممکن ہے جب آدمی آخرت کی جواب دہی سے بے نیاز ہو کر امت میں افتراق اور منافرت پھیلانا مقصد حیات بنا لے۔

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

کا مظہر اتم بننے کا خواہشمند ہو ورنہ یہ ممکن ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشف اور خواب کا معاملہ ایک لحاظ سے ملتا جلتا ہے۔ دونوں کی بات رموز و کنایہ کی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس لیے خواب کی حقیقت سمجھنے کے لیے تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کا' مستقل فن ہے اور جلیل القدر تابعی محمد ابن سیرین اس فن کے امام مانے جاتے ہیں۔ اسی طرح کشف کی تعبیر بھی کرنی ضروری ہوتی ہے کتاب الہیٰ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں پھر جب مصر میں سارا خاندان پہنچا خرولہ سجدا کا منظر پیش آیا تو آپؑ نے فرمایا ھذا تاویل رویای کہ میرے خواب کی تعبیر ہے اب اگر کوئی دانشور لغت کو لے کر بیٹھ جائے۔ ستارے کے معنی بھائی کس لغت میں لکھا ہے تو اس کی سادگی یا حماقت پر مسکرا دینے کے بغیر کیا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ملک مصر کے خواب کا معاملہ ہے کہ دبلی اور فربہ گائے کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے تنگی اور خوشحالی کے سات برسوں سے کی۔ اب گائے کے معنی برس لغت کی کس کتاب میں مل سکیں گے۔

خواب کی تعبیر کی طرح کشف کی تعبیر بھی الفاظ و معنی کے ربط کے علاوہ اور صورت میں ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ الفاظ کے لغوی معنی اور مراوی معنوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً

ان تنصر و اللہ ینصر کم ۔ لفظی ترجمہ یہ ہو گا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر یہاں لفظ اللہ کے معنی اللہ کی ذات لئے جاتے ہیں تو پڑھا جائے گا کہ (معاذ اللہ) اللہ کی ذات کمزور ہے' عاجز ہے' محتاج ہے اور یہ ماننا کفر ہے۔ لہٰذا اس کے مراوی معنی اللہ کی ذات نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے اسی طرح زیر بحث اقتباس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں بلکہ آپؐ کا لایا ہوا دین اور آپؐ کی شریعت ہے لوگ دین میں تحریف اور بدعات داخل کر کے دین کی عمارت کو گرانے کے درپے ہیں اور میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے ذریعے دین کی عمارت کو گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں ہاں یہ مراد لینے میں ایک ہی رکاوٹ ہے کہ کوئی فساد پھیلانا چاہے تو یہ مراد لیتے ہیں اس طرح ہاتھ سے ایک بہانہ نکل جاتا ہے۔ اگر یہاں بے ادبی کا احتمال ہے تو آیت میں کیا اللہ تعالیٰ نے خود اپنی بے ادبی کرنے کی تلقین کی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لتو منو باللہ و رسولہ و تعز روہ یہاں (ہٗ) ضمیر کا مرجع اگر نبی کریمؐ کی ذات قرار دیا جائے تو حضورؐ کو (معاذ اللہ) عاجز اور محتاج ماننا پڑے گا تو کیا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی بے ادبی کرنے کا امت سے مطالبہ کیا ہے ظاہر ہے یہاں بھی مراد حضور اکرمؐ کی شریعت ہے اور آپؐ کا لایا ہوا دین ہے۔

رمز و کنایہ کی زبان استعمال کرنا تو خود ہمارے مشاہدے اور تجربے میں بھی آتا ہے۔ فوج میں یہ معمول ہے کہ راز کی بات ایک خاص محکمہ کے ذریعے کی جاتی ہے جسے سائفر ڈیپارٹمنٹ کہتے ہیں۔ وہاں عام الفاظ کی جگہ خاص الفاظ مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس طرح جو عبارت بنتی ہے اسے کوڈ لینگویج کہتے ہیں۔ جب پیغام پہنچتا ہے تو کوڈ کی مدد سے اس عبارت کو ڈی سائفر کر کے عام زبان میں لکھا جاتا ہے۔

یہ طریقہ بالکل وہی ہے جو خواب یا کشف کی تعبیر میں اختیار کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوڈ میں لکھا ہو RAT کے لفظ کا مطلب TANK ہے۔ اگر پیغام یہ ہے کہ پانچ RAT بھیج دو تو ظاہر ہے کہ پیغام وصول کرنے والا پانچ چوہے پکڑ کر بھجوانے کی حماقت نہیں کرے گا بلکہ اس پیغام کو کوڈ کی مدد سے ڈی سائفر کرے گا اور حکم کی تعمیل میں پانچ ٹینک ارسال کرے گا۔ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی اور الفاظ کے وہ معنی نہیں لئے جن معنوں کے لیے یہ الفاظ وضع ہوئے تھے۔

دین کے معاملہ میں اگر آدمی صحیح الدماغ ہو تو اجتنبوا کثیرا من الظن بھی کافی ہے۔ مگر ان بعض الظن اثم کی تاکید کے بعد بھی آدمی بدظنی کرنے کو

فرض سمجھے تو اس کا کیا علاج۔

اللھم ارنا الحق حقا و رزقنا اتباعہ'

خوابوں کی بات چلی ہے تو یہاں دو خوابوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرقاۃ شرح' مشکوۃ جلد ا صفحہ ۲۸ پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مناقب میں ان کے کا خواب کا ذکر ہے۔

ورای ابو حنیفته فی النوم کانه ینبش قبر النبی صلی الله علیه وسلم فبعث من سأل محمد بن سیرین فقال من صاحب هذه الرویار ولم یجب عنها ثم ساله الثانیه فقال مثل ذلک ثم ساله الثالثته فقال صاحب هذه الرویا یبرز علمالم احدالیه ممن قبلہ۔

"امام ابو حنیفہؒ نے خواب دیکھا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ادھیڑ رہے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ بناش تو کفن چور کو کہتے ہیں جو قبریں اکھاڑ کر میت کے جسم سے کفن اتار لے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جو منظر خواب میں دیکھا اگر لفظ نبش کے معنی لغوی لئے جائیں تو امام صاحب جیسا گستاخ آدمی بھلا ڈھونڈے سے کہیں ملے گا۔ مگر محمد بن سیرینؒ نے اس لفظ نبش کا مطلب یہ بتایا کہ اس شخص سے علم کے وہ حقائق اور نکات ظاہر ہوں گے جو اس سے پیشتر کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ لیجئے ظاہر الفاظ سے کسی نے اگر گستاخی کی بو سونگھ لی تو اس کی قوت شامہ کا فساد ہے۔ ورنہ اس لفظ سے اہل بصیرت نے دین کی انتہائی خدمت کے معنی لئے۔

اسی مرقات میں امام بخاریؒ کا ایک خواب بیان ہوا ہے۔

اننی رایتنی وا قفابین یدی النبی صلی الله علیه وسلم و بیدی مردخته اذب عنه فعبر لی بانی اذب عنه الکذب (ج ا: صفحه ۱۳)۔

یعنی امام بخاریؒ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں ہاتھ میں پنکھا ہے اور حضور اکرمؐ کے جسم سے مکھیاں دور کر رہے ہیں۔

آدمی سوچے کہ مکھیاں تو گندی جگہ پر بیٹھتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مکھیاں ہٹانے کا خیال تک بھی دل میں لانا سخت گستاخی ہے۔ لہٰذا امام بخاری سے بڑھ کر گستاخ کون ہو گا مگر لفظ اذب کے معنی لغت میں تلاش کرنے کی جگہ فن تعبیر الرویا میں ڈھونڈنے پڑیں گے اور ایسا کرنے سے حاصل یہ ہو گا کہ "اذب سے" مراد یہ ہے کہ وہ موضوع اور جھوٹی حدیثیں جو جعل سازوں نے حضورؐ سے منسوب کر رکھی ہیں آپ ان کی چھان بین کر کے اس جھوٹ کو نمایاں کر دیں گے۔ مفسد تو اسے گستاخی سمجھیں گے مگر محقق اسے محبت کا مظہر قرار دیں گے۔

تفاوت است میاں شنیدن من وتو

تو بستن در ومن فتح باب می شنوم

ترجمہ: تیرے اور میرے سننے میں بڑا فرق ہے تو دروازہ بند کر کے اور میں کھول کر سنتا ہوں۔

❊ ❊ ❊

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱۔ الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
۲۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ'
۳۔ الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
۴۔ الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ
۵۔ الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
۶۔ الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ
۷۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمان جامی رحمتہ اللہ علیہ
۸۔ الٰہی بحرمت ابو ایوب حضرت محمد صالح رحمتہ اللہ علیہ
۹۔ الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمتہ اللہ علیہ
۱۰۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ
۱۱۔ الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خان رحمت اللہ علیہ
۱۲۔ الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ من و خاتمہ فقیر محمد اکرم بخیر گرداں

کوئی مصیبت کوئی حادثہ کوئی مشکل پیش آ جائے تو سحری کے وقت معمول کے بعد سلسلہ خواجگان پڑھ کر بحضور قلب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے' ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری ہو گی۔ اگر عام طور پر پڑھے' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خاتمہ بالایمان کرے گا۔

تمت بالخیر'